© rasailojaraid.com

جلیانوالہ باغ (امرتسر)
تاریخ آزادی وطن کا ایک خونی سنگ میل

محمد فاروق قریشی (ایڈوکیٹ) لاہور

اگست ۱۹۴۷ء کے وسط میں ہندوستان نے دو صد سالہ غلامی کی زنجیروں کو کاٹ کر دور پھینک دیا۔ چالیس کروڑ انسانوں کو آزادی کی نعمت غیر مترقبہ تیرات میں نہ ملی تھی بلکہ اس عظیم الشان مقصد کو حاصل کرنے کے لیے ہمارے آباؤ اجداد نے دو سو برس تک مسلسل اور پیہم جد وجہد کی۔ فقید المثال قربانیاں پیش کیں۔ ابتلاء و آزمائش کے کڑے امتحانوں سے گزرے قید و بند کی صعوبتیں برداشت کیں۔ تازیانوں کی ضربات سے حریت پسندوں کے جسم روئی کے گالوں کی طرح اڑے۔ جائیدادیں ضبط ہوئیں، کالے پانی کی سزاوں کو بھگتا اور ان گنت عظیم المرتبت فرزندان وطن نے ہنسی خوشی اور مسکراتے ہوئے پھانسی کے پھندے اپنی گردنوں میں حمائل کیے۔ استخلاص وطن کے عشق میں اہل وطن نے جتنی مدت پس دیوار زنداں بسر کی اگر اسے شمار کیا تو یہ کئی صدیوں پر پھیلی ہوئی ملے گی اس قدر عظیم گراں باری کے عوض غلامی کی تیرہ و تاریک رات انجام کو پہنچی اور آزادی کا آفتاب مطلع وطن پر نمودار ہوا۔

کہ خونِ صد ہزار انجم سے ہوتی ہے سحر پیدا

نواب سراج الدولہ اور سلطان فتح علی شہید المعروف سلطان ٹیپو کی چشم بصیرت نے ابتدا ہی میں اغیار کی آنکھوں میں مخفی میل کو دیکھ لیا تھا ان کے مذموم عزائم کو بھانپ لیا تھا انھوں نے "گربہ کشتن روز اول" کے مصداق ان کی سرگرمیوں پر کڑی نگاہ رکھی۔ انہیں للکارا ان کا زور توڑنے کے لیے میدان کارزار میں کود پڑے آزادی کی شمع کو خون جگر سے سینچا۔

© rasailojaraid.com

© rasailojaraid.com

ان کے جانشینوں نے اس مشن کو آگے بڑھانے میں غفلت شعاری، سہل انگاری یا مصلحت کوشی کا مظاہرہ نہیں کیا بلکہ مصلحت سوزی اختیار کی وطن کی مقدس سرزمین کو فرنگیوں کے ناپاک قدموں سے نجات دلانے میں کوئی دقیقہ فروگزاشت نہیں کیا۔ پلاسی اور کرناٹک کے میدانوں سے بالاکوٹ کی چٹانوں تک پھیلی ہوئی داستان حریت بڑی دراز ہے۔ ۱۸۵۷ء کے خون ریز المیہ کی شدت سے مغلیہ سلطنت کا ٹمٹماتا ہوا چراغ گل ہوگیا۔ اور ہندوستان پر برطانوی پھریرا لہرانے لگا۔ ۱۸۵۷ء سے متصل ۱۴ برسوں میں علمائے حق نے پانچ مرتبہ غیر ملکی آقاؤں کا پرچم بزور سرنگوں کرنے کی مساعی کی۔ کانگریس نے استدعاؤں سے حقوق طلبی کی ابتدا کی ۱۹۰۶ء میں مسلم لیگ معرض وجود میں آئی تو اس نے نہایت مدہم سروں میں مسلمانوں کو سرکاری ملازمتیں دلانے اور اداروں میں نمائندگی کے لیے کوٹہ مخصوص کرنے کی درخواستیں گزاریں۔

پہلی جنگ عظیم کے موقع پر برطانوی سامراج کو سنگین مشکلات کا سامنا تھا جنگ کی شدت سے حکومت شدید پریشان تھی۔ خلافت اسلامیہ کے مرکز ترکی کے خلاف برطانوی مسلح جارحیت کے باعث دنیا بھر کے مسلمانوں کے دلوں میں برطانیہ کے خلاف نفرت و غصہ کے جذبات موجزن تھے۔ اسلامیان ہند بھی اس سے متاثر ہوئے بغیر نہ رہے۔ ہند کی فضائیں غازی مصطفیٰ کمال کی تحسین و ستائش سے گونجنے لگیں اور اس کی کامرانی کے لیے دعائیں مانگیں گئیں۔

غازی مصطفیٰ پاشا کمال وے تیریاں دور بلائیاں
روندے سمرنا دے بال وے بیوہ ہوگئیاں مائیاں

جنگ کی ہولناکیوں، تو فنائیوں اور تباہ کاریوں سے ہر طرف افراتفری پھیلی ہوئی تھی۔ جنگی احتیاجوں میں روز بروز اضافہ ہو رہا تھا۔ حکومت نے جنگ کی ضرورتوں کو پورا کرنے کے لیے غیر معمولی اقدامات کیے۔ مہنگائی کی عفریت، محاصل کی شرح میں غیر معمولی اضافے، اشیائے ضروریات زندگی کے حصول میں ناقابل عبور دشواریاں اور دیگر عوامل سے ہند بھر میں حکومت کے خلاف نفرت و حقارت اور برہمی میں بے حد و حساب اضافہ ہو چکا تھا۔ بے چینی، بے قراری اور اضطراب کی شدت کو کم کرنے اور غیظ و غضب سے گلو خلاصی کے لیے حکومت نے روایتی فریب کاری سے کام نکالنا چاہا اور عوام کو جھوٹے وعدہ فردا پر ٹرخا دیا۔ اس چال

© rasailojaraid.com

© rasailojaraid.com

سے حکومت کو لمحاتی فائدہ ضرور پہنچا۔ ۲۰ اگست ۱۹۱۷ء کو نئے وزیر امور ہند مسٹر مانٹیگو نے اعلان کیا کہ برطانوی حکومت کے جزو لاینفک کی حیثیت سے ہندوستان میں رفتہ رفتہ ایک ذمہ دار حکومت قائم کی جائے جو مکمل طور پر ہندوستانیوں کے سامنے جوابدہ ہوگی اس مطالبہ کو تسلیم کرنے کے محرکات میں ہوم رول لیگ کا زبردست دباؤ بھی شامل تھا۔ جس کے نعروں میں جارحیت اور تلخی بہت زیادہ ہوتی تھی۔ ہوم رول لیگ کے رہنماؤں مسز بیسنٹ اور ان کے ساتھیوں کو حکومت مدراس نے نظر بند کر دیا تو مسٹر جناح ہوم رول کے مسئلہ پر مستعد ہو گئے تھے۔

۱۹۱۶ء میں لکھنؤ پیکٹ کے ذریعہ کانگریس اور مسلم لیگ قریب آ گئے۔

نومبر ۱۹۱۸ء میں جنگ ختم ہو گئی۔ فتح مندی سے برطانوی حکمرانوں کے اعصاب کو خوب تقویت ملی۔ انہوں نے اصلاحات نافذ کرنے کے وعدوں کو ایفا کرنے سے دست کشی اختیار کر لی۔ بلکہ الٹا انھوں نے مسٹر جسٹس سڈنی رولٹ کی سفارشات کے مطابق انتہائی ظالمانہ اور غیر مہذب قوانین وضع کیے۔ فروری ۱۹۱۹ء میں مرکزی قانون ساز اسمبلی میں دو مسودات قانون پیش کیے۔ ان میں ایک انڈین کریمنل لاء (امینڈمنٹ) بل اور دوسرا کریمنل لاء (ایمرجنسی پاورز) بل (۲) تھا۔ مارچ میں دونوں مسودات مختلف مراحل طے کرنے کے بعد قانون کی شکل اختیار کر گئے۔ ان قوانین کا مقصد انفرادی آزادی اور سیاسی سرگرمیوں پر ناروا پابندیاں عائد کرنا تھا ان کے ذریعے انتظامیہ اور پولیس کو وسیع اختیارات تفویض کر کے مطلق العنان بنا دیا گیا تھا۔ انتظامیہ اور پولیس کسی بھی شخص کو پکڑ کر بلا مقدمہ چلائے غیر معینہ مدت کے لیے جیل میں ڈال سکتی تھی۔ ایسے شخص کو عدالت سے رجوع کر کے دادرسی کے قانونی حق سے محروم بنا دیا گیا تھا۔ کالے قوانین کے ذریعے پریس کی آزادی پر بھی بھرپور وار کیا گیا تھا۔ انتظامیہ بلا وجہ بتائے اخبار کا ڈیکلریشن منسوخ کرنے کی مجاز تھی۔ اخبارات کو حکومت کی لاقانونیت کے خلاف عدالت میں قانونی چارہ جوئی کا حق حاصل نہ تھا۔ غرض نہ وکیل، نہ اپیل اور نہ دلیل تھی۔

جنگ کے اخراجات کو پورا کرنے کی غرض سے ہندوستان نے مفلوک الحالی کے باوجود اپنی بساط سے زیادہ تعاون کیا تھا۔ دس کروڑ پاؤنڈ کا خطیر عطیہ، ہندوستان نے اپنے بچوں کے منہ سے نوالہ چھین کر دیا تھا۔ مصدقہ اعداد و شمار کے مطابق ۳۱ مارچ ۱۹۲۹ء تک

© rasailojaraid.com

© rasailojaraid.com

ہندوستان نے بارہ کروڑ اٹھتر لاکھ پونڈ جنگی اخراجات کی مد میں ادا کیے جبکہ اکیس لاکھ پونڈ کی رقوم والیانِ ریاست اور ہندوستان کے عوام نے جنگ کے فنڈ میں دیں۔ دوران جنگ صرف پنجاب سے تین لاکھ ساٹھ ہزار افراد فوج میں بھرتی ہوکر غیر ممالک کو فتح کرنے ملک سے باہر گئے یہ کل بھرتی کا نصف سے زائد تھے جبکہ آبادی کے اعتبار سے پنجاب میں غیر منقسم ہندوستان کا ۱/۱۰ حصہ تھا عوام نے حکومت خود اختیاری کے شوق میں دست تعاون بڑھایا تھا۔

جنگ کے خاتمے پر حکومت اپنے وعدے سے مکر گئی۔ انہیں مراعات کے بجائے کالے قوانین کا "تحفہ" ملا۔ اس سے شدید ہلچل مچ گئی۔ دراصل حکومت اصلاحات نافذ کرنے میں مخلص اور سنجیدہ نہ تھی۔ اس نے سارا ناٹک عوام کو بیوقوف بنانے کے لیے رچایا تھا۔ حکومت کو علم تھا انحراف کی صورت میں عوام کے شدید ردعمل کا سامنا کرنا پڑے گا۔ چنانچہ اس نے عوام کے غضب سے بچنے کے لیے غیر مہذب کالے قوانین کی بیساکھیوں کا سہارا ڈھونڈا تھا۔ اس کا خیال تھا کہ عوام اس کی سنگینی سے خوفزدہ ہوکر حقوق و مطالبات سے دستبردار ہوجائیں گے۔ عوام کا جذبۂ آزادی و حریت مدھم پڑجائے گا اور حکمرانی کا سلسلہ چلتا رہے گا۔ لیکن اے بسا آرزو کہ خاک شدہ عوام کے سینوں میں آزادی کی آگ کے الاؤ دہک رہے تھے۔ انتہائی جابرانہ کالے قوانین نے جلتی پر تیل کا کام کیا۔ حکومت کی عہد شکنی نے مہمیز لگائی اور جذبۂ آزادی جوان اور فزوں تر ہوگیا۔ کالے قوانین کے خلاف زبردست صدائے احتجاج بلند ہوئی۔ مسلم لیگ اور کانگریس اب تک قرار دادوں اور استدعاؤں پر قناعت کیے ہوئے تھیں۔ سیاست میں جارحانہ انداز، ایجی ٹیشن اور مطالبات کے حق میں بلند آہنگ کی ابتدا رولٹ ایکٹ کی مخالفت سے ہوئی۔ آزادی کی راہ میں سب سے پہلے خون جلیانوالہ باغ میں بہا۔ ایں سعادت بزور بازو نیست۔

گورول کے کالے قوانین کے خلاف زبردست صدائے احتجاج بلند ہوئی۔ مسٹر محمد علی جناح نے بل کی مخالفت میں تقریر کرتے ہوئے کہا:

"مجرمانہ سازشں کا مسئلہ رولٹ کمیٹی نے اس طرح اٹھایا ہے جیسے کچھ جرائم پیشہ قبائل ہم میں اچانک نمودار ہوگئے ہیں اور اب ضروری ہے کہ ایک قانون بناکر

© rasailojaraid.com

© rasailojaraid.com

ان کا قلع قمع کر دیا جائے لیکن قانون سازی مرض کا علاج نہیں حکومت کو اپنی پالیسی میں تبدیلی کرنی چاہیے۔ یہ مجرمانہ سازشیں خود بخود ختم ہو جائیں گی۔ اس کمیٹی نے (رولٹ کمیٹی) ایسی سفارشات پیش کی ہیں۔ جنھیں کوئی مہذب حکومت قبول نہیں کر سکتی۔ اگر اسے قانون کی شکل دیدی گئی تو سارے ملک میں اس سرے سے لے کر اُس سرے تک آگ لگ جائے گی"۔

سری نواس شاستری نے شاہی قانون ساز کونسل میں تقریر کرتے ہوئے کہا:

"جب ایک برا قانون بن جاتا ہے تو یہ ہمیشہ بُرے افراد کے خلاف استعمال نہیں ہوتا۔ جب حکومت عوام کو کچلنے کی پالیسی پر عمل پیرا ہوتی ہے تو معصوم لوگوں کو بے گناہ تصور نہیں کیا جاتا۔ حکومت کے نزدیک بے گناہ لوگ وہ ہوتے ہیں جو سیاست میں حصہ نہ لیں۔ گھر میں خاموش بیٹھے رہیں۔ عبادت میں مصروف رہیں۔ حکومت کو ٹیکس ادا کرتے رہیں۔ اور تمام سرکاری اہل کاروں کو تسلیمات بجا لائیں"۔

سر تیج بہادر سپرو نے اس پر رائے زنی کرتے ہوئے کہا:

"اس قانون کی اساس غلط اصولوں پر رکھی گئی ہے اس کے نفاذ سے خطرناک نتائج پیدا ہوں گے"۔

پنڈت مدن موہن مالویہ نے کہا:

"یہ قانون عوام کے جذبۂ حریت کو کچلنے کے لیے بنایا جا رہا ہے"۔

سریندر ناتھ بینر جی کا خیال تھا۔

"یہ قانون فرد کی آزادی پر زبردست حملہ ہے"۔

اور بی بی شکلا کا کہنا تھا:

"اس سے تشدد کی راہیں کھل جائیں گی"۔

ان ایام میں شاہی قانون ساز کونسل میں حکومت کے نامزد ارکان کی اکثریت ہوتی تھی۔ منتخب ارکان بہت معمولی تعداد میں ہوتے تھے۔ منتخب ارکان نے بل کی زبردست مخالفت

© rasailojaraid.com

© rasailojaraid.com

کی لیکن حکومت نے نامزد ارکان کی حمایت سے بل منظور کروالیا۔ اور وائسرائے نے دستخط کردیئے تو محمد علی جناح نے احتجاجاً امپیریل لیجسلیٹو کونسل کی رکنیت سے استعفےٰ دے دیا۔ انھوں نے ۲۸ مارچ ۱۹۱۹ء کو وائسرائے ہند کو مخاطب کرتے ہوئے لکھا :

"رولٹ ایکٹ کی منظوری اور اس پر آپ کی مہر تصدیق نے عوام کو برطانوی انصاف سے برگشتہ کردیا ہے۔ انصاف اور معدلت کے بنیادی اصولوں کو تہس نہس کرکے رکھ دیا ہے اور قوم کے دستوری و آئینی حق کو سوخت کر لیا ہے لہٰذا میں اس فیصلہ اور حکومت کی روش کے خلاف احتجاج اور اظہار برہمی کے طور پر امپیریل لیجسلیٹو کونسل کی رکنیت سے استعفیٰ دیتا ہوں۔ ان حالات میں کوئی خوددار آدمی حکومت سے تعاون نہیں کرسکتا۔ ایسی حکومت سے جو ایوان آئین ساز میں قوم کے منتخب شدہ نمائندوں کی آوازوں کو ٹھکرا دیتی ہو"۔

مسٹر سنکرن نائر نے بھی کونسل کی رکنیت سے استعفیٰ دے دیا۔ مشہور قومی شاعر ڈاکٹر رابندرناتھ ٹیگور نے "سر" کا خطاب واپس کردیا۔

گاندھی جی نے وائسرائے کو ایک مکتوب ارسال کیا جس میں کہا گیا تھا :

"برطانوی وزراء سے کہیے کہ اسلامی ممالک کے بارے میں ہمیں پوری طرح مطمئن کریں۔ میں آپ کو یقین دلاتا ہوں کہ ہر مسلمان کا دل اسلامی ممالک کے درد سے بے چین ہے میں ہندو ہونے کی حیثیت سے اس درد سے متاثر ہوئے بغیر نہیں رہ سکتا۔ ان کی مصیبت ہماری ہے۔ بہتر یہی ہے کہ اسلامی ممالک کے حقوق کی دل و جان سے حمایت کی جائے۔ مقامات مقدسہ کے بارے میں مسلمانوں کے جذبات کا پورا پورا احترام کیا جائے اور ہندوستان کے ہوم رول کے مطالبہ کا جلد تصفیہ کردیا جائے"۔

گاندھی جی نے مفاہمت کے لیے راستہ کھولا تھا۔ لیکن حکومت ٹس سے مس نہ ہوئی۔ لہٰذا انھوں نے آئندہ کے لیے تیاریاں زور وشور سے شروع کردیں۔ انھوں نے ایک حلف نامہ تیار کیا جسے ستیہ گرہی پڑھ کر حلف اٹھاتا تھا۔ اس میں لکھا تھا :

© rasailojaraid.com

© rasailojaraid.com

سیتہ گرہی یہ حلف اٹھاتا ہے کہ اگر رولٹ ایکٹ منظور کر لیا گیا اور اسے قانون کی شکل دے دی گئی تو وہ ان قوانین کی پابندی نہیں کرے گا تا وقتیکہ یہ قوانین واپس نہ لے لیے جائیں"۔

عوام نے حلف نامے پر دھڑا دھڑ دستخط کرنے شروع کر دیے۔ روزانہ ان گنت لوگ حلف نامہ پُر کرنے لگے۔ لیکن اس مہم کا حکومت پر کوئی اثر نہ ہوا۔ حکومت قانون بنوانے میں کامیاب ہو گئی لہذا گاندھی جی نے عام ہڑتال کرنے اور روزہ رکھنے کی اپیل کر دی۔ بعدازاں احتجاج کا دن تبدیل کر کے ۶ اپریل کر دیا گیا۔ لیکن عوام نے پہلے اعلان کے مطابق زبردست احتجاج کیا۔ اور مکمل ہڑتال کی۔ دلی میں جلوس پر پولیس نے گولی چلائی۔ دراصل حکومت کی کہہ مکرنیوں سے عوام مشتعل ہو چکے تھے۔ ان میں صبر و انتظار کا یارا نہ تھا۔ ان کے صبر کا پیمانہ لبریز ہو چکا تھا سینے غصہ اور انتقام کے جذبات سے معمور تھے۔ اب عوام کی قوت برداشت جواب دے چکی تھی۔ وہ ۶ اپریل تک انتظار کرنے کے لیے تیار نہ تھے۔ بل پاس ہوا تو انھوں نے ۳۱ مارچ سے ہڑتال جلسے جلوسوں کا سلسلہ شروع کر دیا۔ ملک ہنگاموں اور ریلوں کی لپیٹ میں آ گیا۔ جبر و استبداد ہمیشہ زوال پذیر قوتوں کا رفیق ہوتا ہے۔ حکومت نے نادانی یہ کی کہ ڈاکٹر سیتہ پال کے امرتسر شہر سے باہر جانے تقریر کرنے اور بیان جاری کرنے پر پابندی لگا دی۔ تین یوم بعد ان سے نیک چلنی کی ضمانت طلب کر لی۔ یہ واقعات عوام کے جذبات کو بھڑکاتے رہے اور احتجاج شدت اختیار کرتا گیا۔ ۴ اپریل کو ڈاکٹر سیف الدین کچلو پنڈت کوٹومل، لالہ دینا ناتھ اور سوامی انوبھاد پر تقریر کرنے کی پابندی لگا دی۔

مشترکہ حریف کے خلاف قابل رشک اشتراک عمل کا فقید المثال مظاہرہ ہوا۔ غیر ملکی آقاؤں کے خلاف تمام مذاہب کے افراد شیر و شکر ہو کر احتجاج کناں تھے۔ اب ہندو، مسلمان اور سکھ کی تمیز قصہ پارینہ تھی۔ بھائی چارے، یگانگت اور اتحاد کی نئی لہر ہر طرف نظر آ رہی تھی۔ مذاہب کے نام پر قائم عصبیتیں، کدورتیں اور نفرتیں مٹ گئی تھیں۔ ان کی جگہ اتحاد اور اتفاق کے روح پرور مناظر نے لے لی تھیں۔ برطانیہ کی روایتی "ڈپلومیسی" پھوٹ ڈالو اور حکومت کرو" دیوالیہ ہو چکی تھی برطانوی جبر و تشدد میں جس شدت سے اضافہ ہوا وحدت و ہم آہنگی کے ناتے اسی رفتار

© rasailojaraid.com

© rasailojaraid.com

سے مستحکم ہوئے ڈاکٹر سیف الدین کچلو اور ڈاکٹر سیتہ پال کی مساعی اور سیاسی فراست سے رام نومی کے تہوار پر اتحاد کی نئی صورت نظر آئی اس روز ہندو مسلمان اور سکھوں نے ایک گلاس میں پانی پیا۔ جلوس نکالا اور اپنے مطالبات کے حق میں زبردست رائے زنی کی۔ رام نومی کا تہوار امن و سلامتی سے گزر گیا۔ اور اپنے پیچھے ایک زبردست نئی تاریخ چھوڑ گیا یہ اہل وطن کے لیے یقیناً قابلِ تقلید اور سود مند تھی۔ لیکن اتحاد کی اس فضا سے غیر ملکی آقا بوکھلا اٹھے۔ وہ زخمی سانپ کی طرح بل کھا رہے تھے۔ وہ نئی صورت حال کے مضمرات سے پوری طرح آگاہ تھے وہ جانتے تھے کہ اگر اس رجحان کو فروغ کا موقع مل گیا تو سرزمینِ ہندپر ان کی حکمرانی کے دن گنے جا چکے ہیں۔

حکومت کو لمحہ لمحہ کی اطلاعات موصول ہو رہی تھیں۔ لیکن ڈپٹی کمشنر امرتسر نے حالات کا بچشم خود مطالعہ کرنے کی غرض سے شہر کا دورہ کیا۔ ۹ اپریل کو وہ شہر میں گھوما۔ اس کی نگاہِ تیز بین نے عوام کی خونیں نگاہوں کا خوب اندازہ لگا لیا تھا۔ حکومت کا خیال تھا کہ اگر قائدین کو عوام سے جدا کر دیا جائے تو شاید عوام کے جذبات کی شدت میں کمی واقع ہو جائے گی چنانچہ حکام نے لومڑی کی مکاری سے کام لیتے ہوئے صلاح و مشورہ کے بہانے ڈاکٹر سیف الدین کچلو اور ڈاکٹر ستیہ پال کو ڈپٹی کمشنر کے بنگلہ پر بلایا جب دونوں ڈاکٹر اور ان کے چند ساتھی ڈپٹی کمشنر کی رہائش گاہ پر پہنچے تو ان سے ڈیفنس آف انڈیا رولز کے تحت امرتسر چھوڑنے کے حکم کی تعمیل کرائی گئی۔ اس کے ساتھ ہی دونوں کو ایک کار میں بٹھا کر امرتسر سے باہر بھیج دیا۔ پولیس نے ان کے ساتھیوں کو روکے رکھا تاکہ ڈاکٹروں کے خلاف کارروائی کی خبر شہر میں نہ پہنچ سکے۔ صبح کے گئے ہوئے جب دوپہر تک واپس نہ لوٹے تو شہر میں تشویش پیدا ہوئی اور یہ قیاس آرائی کی جانے لگی کہ قائدین کو گرفتار کر لیا گیا ہے۔ اس سے زبردست اشتعال پھیل گیا۔

گرفتاریوں کے خلاف احتجاجی جلسہ گول باغ میں منعقد ہوا۔ مقررین نے دھواں دار تقریریں کیں۔ حکومت کے اقدام کی شدید مذمت کی۔ جلسہ میں فیصلہ ہوا کہ ایک وفد ڈپٹی کمشنر سے مل کر لیڈروں کے بارے میں معلومات حاصل کرے جب وفد ڈپٹی کمشنر کی رہائش گاہ کی طرف روانہ ہوا تو حاضرین جلسہ بھی ہمراہ ہو لیے۔ دراصل دونوں ڈاکٹروں کی عدم موجودگی سے

© rasailojaraid.com

© rasailojaraid.com

ایک خلا پیدا ہو گیا تھا اور شہر میں کوئی موثر قیادت موجود نہ تھی جو نظم و ضبط قائم رکھتی جس کا شاندار مظاہرہ رام نومی کے جلوس کے موقعے پر ہو چکا تھا۔ پرجوش ہجوم کو گھڑ سوار فوج کے مسلح دستوں نے راستہ میں روک لیا اور ڈپٹی کمشنر کے بنگلہ کی طرف نہ جانے دیا۔ نہتا مجمع سڑک پر بیٹھ گیا۔ اور احتجاجی نعرے بلند کرنے لگا۔ لیڈروں کی رہائی کے لیے نعرہ زنی ہوتی رہی۔ اس اثنا میں گھڑ سوار فوجیوں میں سے ایک نے گولی چلائی۔ گولی لگنے سے دو اشخاص زخمی ہو گئے اس سے مشتعل ہجوم ردعمل کا شکار ہو گیا۔ اس نے پاس پڑے ڈھیر سے اینٹیں اٹھا کر گھڑ سوار فوجیوں پہ پھینکیں اس پر فوج نے اندھا دھند فائرنگ شروع کر دی۔ اس سے کئی لوگ جاں بحق ہوئے۔ بعض روایات کے مطابق ان کی تعداد تیس تھی۔ اور زخمی ہونے والوں کی تعداد بے شمار تھی۔ اس وحشیانہ فائرنگ کے باوجود لوگ مسلسل چیخ چیخ کر لیڈروں کی رہائی کا مطالبہ کر رہے تھے۔

اس واقعہ کے ایک عینی شاہد لالہ گیان چند نے کانگرس کی تحقیقاتی کمیٹی کے سامنے بیان دیتے ہوئے کہا:

”جب پلومر نے مجمع کو منتشر ہونے کے لیے کہا تو نہتے عوام زمین پر بیٹھ گئے اور سینہ کوبی کرنے لگے پولیس اور فوج کے سپاہی ہر طرح کے ہتھیاروں سے لیس گھوڑوں پر سوار راستہ روکے کھڑے تھے۔ ایک گھڑ سوار کی گولی لگنے سے دو آدمی زخمی ہوئے جنھیں چوک فرید کے ڈاکٹر کیشمیر کے مطب پر مرہم پٹی کے لیے پہنچایا گیا“۔

مسٹر کونر اسسٹنٹ کمشنر کا بیان ہے کہ مشتعل ہجوم ڈاکٹر کچلو اور ڈاکٹر ستیہ پال کی رہائی کا مطالبہ کر رہا تھا۔ ایک شخص نے کمشنر سے سینہ پیٹتے ہوئے کہا کہ ہمارے لیڈروں کو رہا کر دو یا ہمیں بھی گولی مار دو، ایک اور شخص نے کہا:

”حکومت کا وعدہ حکومت خود اختیاری دینے کا تھا ——— لیکن وہ دے رہی ہے گولیاں“۔

ہال دروازہ اور اوچھے پل کے درمیان رونما ہونے والے خون ریز واقعے کی اطلاع آناً فاناً شہر پہنچ گئی اور شہر آتش فشاں بن گیا پرامن شہری بلوائی بن گئے۔ قتل و غارت گری اور لوٹ مار کا بازار گرم ہو گیا۔ اب مشتعل عوام کی زد سے کوئی غیر ملکی فرد یا املاک محفوظ نہ تھی، گوروں کو

© rasailojaraid.com

© rasailojaraid.com

مارا گیا۔ بنکوں کو لوٹا گیا اور ڈاک خانوں کو جلایا گیا۔ یہ وہی شہری تھے جنھوں نے رام نامی کے تہوار کے دن زبردست مظاہرہ کے باوجود غیر ملکیوں سے کوئی تعارض نہ کیا تھا۔ اور نہ ہی ان کی املاک کو گزند پہنچائی تھی۔ درحقیقت جنونانہ اشتعال فائرنگ سے پھیلا تھا۔ اگر دند کو روکا نہ جاتا ڈپٹی کمشنر سے ملاقات ہوجاتی تو حالات ابتر نہ ہوتے۔ لیکن فائرنگ کر کے زبردست حماقت کا مظاہرہ کیا گیا اب حکومت نے اپنے وقار کو بلند رکھنے کے لیے مزید حماقتیں شروع کیں۔

عوام کا اشتعال پورے عروج و کمال پر تھا۔ چارٹرڈ بنک، نیشنل بنک اور الائیڈ بنک کو تہس نہس کر دیا گیا۔ ان کے منیجر کو موت کے گھاٹ اتار دیا گیا۔ ریلیجس بک سوسائٹی کا ڈپو جلا دیا گیا۔ ٹاؤن ہال اس سے ملحق ڈاکخانہ، دربار صاحب، مجیٹھہ منڈی اور دھاب بستی رام کے ڈاکخانوں کو بھی نقصان پہنچایا گیا۔ جنون، اشتعال اور انتقام کے ماحول میں بھی انسانیت زندہ تھی۔ حسین بخش زچگی بچگی کے ہسپتال میں چپڑاسی تھا۔ مشتعل ہجوم ہسپتال کی لیڈی ڈاکٹر مسز الیسڈن کی جان کے درپے تھا۔ جب ہجوم اپنے مقصد میں ناکام لوٹ گیا تو حسین بخش اپنے گھر گیا اپنی بیوی کا لٹھے کا برقعہ اور شلوار اٹھا کر ہسپتال آیا۔ ڈاکٹر مسز الیسڈن کے منہ ہاتھوں اور پاؤں پر سیاہی ملی اسے شلوار پہنا کر اور برقعہ اوڑھا کر پچھلے دروازوں سے نکال کر جان بچائی۔ جنون کے تین گھنٹوں میں پانچ گورے ہلاک ہوئے۔ انگلش بنکوں کو تباہ کیا گیا اور ڈاکخانوں کو جلایا گیا۔ ازاں بعد خود بخود امن بحال ہوگیا۔

حکومت کے احمقانہ اقدام عوام کے سینوں میں دبی چنگاریوں کا شعلہ جوالہ بنانے کا جواز فراہم کرنے کے لیے کافی تھے۔ ڈاکٹر سیف الدین کچلو اور ڈاکٹر ستیہ پال نے گاندھی جی کو امرتسر آنے کی دعوت دے رکھی تھی۔ گاندھی جی نے آنے کا وعدہ بھی کیا تھا۔ وہ ۷ اپریل کو دہلی اور امرتسر کے دورہ کے لیے روانہ ہوئے تو راستہ میں پلول کے ریلوے اسٹیشن پر انہیں گاڑی سے اتار کر حراست میں لے لیا گیا۔ گاندھی پروگرام کے مطابق امرتسر نہ پہنچے تو ان کی گرفتاری کی افواہ پھیل گئی۔

۱۰ اپریل کی فائرنگ سے ہلاک ہونے والوں کی میتوں کو ٹھکانے لگانا ایک مسئلہ بن گیا حکومت نے تمام اجتماعات پر پابندی عائد کردی۔ جنازہ کے ساتھ صرف آٹھ افراد کو جانے کی اجازت تھی

© rasailojaraid.com

© rasailojaraid.com

پندرہ منٹ کے وقفوں سے جنازے گھی منڈی، لوہگڑھ، ترنانہ اور چاٹی ونڈ کے دروازوں سے گزر کر قبرستان یا شمشان بھومی جا سکتے تھے۔ بعد میں ان راستوں کو صرف سلطان ونڈ اور چاٹی ونڈ تک محدود کر دیا گیا۔ اب ہندوستانیوں کی میتوں کو ٹھکانے لگانے کی آزادی بھی نہ رہی تھی۔ لیکن ان جابرانہ احکامات کا عوام پر ذرہ برابر اثر نہ تھا۔ فصیل شہر کے اندر عملاً "لوک راج" قائم تھا۔ سوراج کا اعلان کر دیا گیا تھا۔ عوام انگریزی حکومت کے احکامات کو خاطر میں نہ لاتے تھے لوگ "گاندھی ساڈا بادشاہ اور کچلو وزیر اے" کے نعرے بلند کر رہے تھے۔ ڈاکٹر محمد عبداللہ فوق کے مطابق "شہر سے باہر انگریزوں کی حکومت تھی اور شہر کے اندر ہندو مسلم راج تھا"۔

برطانوی حکمران حکم پر حکم جاری کر رہے تھے لیکن ان کی تعمیل نہ ہو رہی تھی۔ یہ صورت حال برطانوی استعمار کے لیے سخت تکلیف دہ اور پریشان کن تھی۔ وہ اس میں استعماری جاہ اور جلال کو ڈوبتے ہوئے دیکھ رہے تھے۔ وہ جانتے تھے کہ اگر صورت حال نے طول کھینچا اور وسعت اختیار کر لی تو برطانیہ کو سرزمین ہندوستان سے بوریا بستر لپیٹ کر رخصت ہونا پڑے گا۔ گرد و نواح سے بھی اطمینان بخش خبریں نہیں آ رہی تھیں امرتسر اور دہلی کے علاوہ قصور، لاہور، گوجرانوالہ، لائل پور، گجرات، شیخوپورہ، وزیرآباد سے بھی دل شکن اطلاعات موصول ہو رہی تھیں۔ برطانوی استعمار سے نجات حاصل کرنے کی لہر شہروں تک ہی محدود نہ تھی بلکہ چھوٹے دیہات تک پھیلی ہوئی تھی۔ حافظ آباد، نظام آباد، سانگلہ ہل، چوہڑ کانہ، رام نگر اور مانانوالہ میں بھی حریت پسندوں نے صدائے احتجاج بلند کی۔

۱۲ اپریل کی رات کو ڈھاب کھٹیکاں۔ کٹرہ بھائی سنت نگر، امرتسر میں ایک جلسہ عام منعقد ہوا جس میں ۱۳ اپریل کو جلیانوالہ باغ میں جلسہ عام کرنے کا اعلان کیا گیا۔ اگرچہ صبح ہی حکومت نے جلسہ کرنے پر پابندی عائد کر دی تھی۔ لیکن دن بھر جلیانوالہ باغ کے جلسہ کا اعلان ہوتا رہا حکومت نے شہر سے باہر جانے کی ممانعت کر دی اور حکم دیا کہ رات آٹھ بجے کے بعد اگر کوئی شخص گھر سے باہر نکلا تو اسے گولی مار دی جائے گی۔ چار آدمیوں سے زیادہ کے اجتماع کو ممنوع قرار دیا گیا اور قابل تعزیر جرم تھا۔

© rasailojaraid.com

© rasailojaraid.com

کانگریس کی تحقیقاتی کمیٹی کے روبرو بیان دیتے ہوئے میر مقبول نے اس امر کی تصدیق کی کہ فائرنگ میں جاں بحق ہونے والوں کی آخری رسومات ادا کرنے پر پابندی عائد کرکے عوام کو مزید غضبناک بنا دیا تھا وہ اسے مذہبی امور میں مداخلت متصور کرتے تھے۔ ڈپٹی کمشنر نے میر مقبول محمود اور مسٹر یاسین سے کہا کہ وہ اجتماع کو باخبر کردیں کہ ایک لاش کے ساتھ صرف چار آدمی جاسکتے ہیں زیادہ کی اجازت نہیں ہے۔ انھوں نے کمیٹی کو بتایا:

"ہم نے ڈپٹی کمشنر کے حسب ہدایت مجمع کو اس کا پیغام پہنچا دیا لیکن عوام کے تیور بگڑے ہوئے تھے۔ انھوں نے کہا کہ یہ ایک مذہبی معاملہ ہے۔ ہم مجمع کے چند نمائندوں کو لے کر ڈپٹی کمشنر کے پاس گئے اور ساری صورتِ حال واضح کردی۔ صاحب بہادر بہت غصے میں تھے اور غضبناکی سے ان کا سارا بدن کانپ رہا تھا انھوں نے چیخ کر کہا:

"ہمارے لوگوں کی لاشیں جل کر کوئلہ ہوگئی ہیں" ہم نے انگریز مقتولین کے لیے اظہار افسوس کیا۔ اس پر وہ زیادہ سیخ پا ہوگئے اور دھاڑ کر کہنے لگے:

"اب تمھیں افسوس ہے۔ حالانکہ تمھیں اس وقت متاسف ہونا چاہیے تھا۔ جب تم ان احمقانہ اجتماعات میں شریک ہو رہے تھے اور وہ وقت آنے والا ہے جب تم واقعی متاسف نظر آؤ گے"۔

ہم نے نرم لہجے میں جواب دیا:

"ہم نے کسی احمقانہ اجتماع میں نہ شرکت کی ہے نہ خطاب کیا ہے اور واپس چلے آئے۔ کرنل اسمتھ اس موقعہ پر موجود تھے۔ انھوں نے رائے دی کہ تجہیز و تکفین کے مجمع کو منتشر کرنے کی بہترین تجویز بیماری ہے"۔

ڈاکٹر محمد عبداللہ ذوق نے اپنے بیان میں کہا:

"سہ پہر کو قبرستان اور شمشان بھومی میں لاشیں ٹھکانے لگا دی گئیں لوگ بہت برہم تھے کہ قومی شہیدوں کی آخری رسومات ادا کرنے کی بھی آزادی نہیں ہے"۔

© rasailojaraid.com

© rasailojaraid.com

امرتسر کے حالات نسبتاً زیادہ ابتر تھے۔ ان کا مقابلہ کرنے کے لیے جالندھر سے مزید فوجی کمک امرتسر منتقل کی گئی فوج نے بیرون رام باغ گیٹ پڑاؤ کیا۔ جنرل ڈائر فوج کا کماندار تھا اس نے ۱۳ اپریل کی صبح کو مشین گنوں اور گولہ بارود سے لیس فوج کے ساتھ شہر میں گشت کیا اس کا مقصد استعمار کے جاہ وجلال اور سطوت وطنطنہ سے آزادی خواہ عوام کو مرعوب کرنا تھا۔ لیکن جن کے سینوں میں حریت کا آتش فشاں دہک رہا ہو جن کے حلق حکمرانوں کے خلاف نعروں کا لاوا اگل رہے ہوں۔ جنھوں نے مادر وطن کی آزادی کے لیے سب کچھ داؤ پر لگا دیا ہو۔ ان کے جذبوں کو آتشیں اسلحہ کی نمائش سے مغلوب نہیں بنایا جاسکتا بلکہ تندئ باد مخالف تو ان کے عزائم کو رفعت پروازی کا درس دیتی ہے۔ ڈائر نے رعب جمانے کے لیے ناٹک رچایا تھا۔ اس کا الٹا اثر تھا۔ عوام بے خوف ہو کر باہر نکل آئے جس راستہ سے فوج کا جلوس گزرتا تھا۔ اس کے تعاقب میں عوام وہاں پہنچ کر جلیانوالہ باغ میں جلسہ منعقد ہونے کا اعلان کرتے اور لوگوں سے زیادہ سے زیادہ تعداد میں جلسہ میں شریک ہونے کی استدعا کرتے تھے۔

۱۳ اپریل کو بیساکھ کی یکم تاریخ ہوتی ہے۔ امرتسر میں اس موقع پر زبردست میلہ اسپاں و مویشیاں ہوتا ہے۔ دور دراز سے لوگ اس میں حصہ لینے آتے ہیں۔ میلہ میں شامل لوگ بھی جلسہ میں شریک تھے۔ چار بجے تک جلسہ گاہ میں تل دھرنے کی جگہ نہ تھی۔ ایک تخمینہ کے مطابق وہاں پینتیس ہزار انسانوں کا عظیم اجتماع تھا۔

ڈائر کو سوا بارہ بجے مصدقہ ذرائع سے اطلاع موصول ہوئی کہ جلیانوالہ باغ میں جلسہ ضرور منعقد ہوگا اور یہ کامیاب جلسہ ہوگا کیونکہ شہر میں اس کی زبردست تشہیر ہوئی ہے چار بجے سہ پہر ایس پی نے جنرل ڈائر کو صورتحال سے مطلع کیا۔ جنرل ڈائر نہتے اور پرامن لوگوں کے خون سے پیاس بجھانے کے انتظار میں بیٹھا ہوا تھا۔ اسے جونہی خبر ملی اپنی درندگی کا مظاہرہ کرنے کے لیے جلیانوالہ باغ کی طرف کوچ کا حکم دیا۔ چالیس مسلح گورکھا سپاہی تھے۔ پچیس گورکھا اور پچیس سکھ فوجی جوان رائفلوں اور کرکی (رائفل کے سامنے منسلک کرچ) دو آرمڈ کاریں جن پر مشین گنیں نصب تھیں کے ساتھ ڈائر جلیانوالہ باغ پہنچا۔ راہ

© rasailojaraid.com

© rasailojaraid.com

کی تنگ دامانی آرڈر کا ردول کے اندر جانے کی راہ میں حائل ہوئی۔ انھیں باغ کے باہر دروازہ پر چھوڑ دیا گیا۔ اس وقت پانچ بج چکے تھے۔

جلسہ کی صدارت ڈاکٹر سیف الدین کچلو کو کرنا تھی۔ لیکن بزدل حکومت نے انھیں گرفتار کرکے امرتسر سے باہر بھیج دیا تھا۔ اب جلسہ کی صدارت ڈاکٹر سیف الدین کچلو کی تصویر کر رہی تھی۔ جب جنرل ڈائر جلسہ گاہ میں پہنچا تو وہاں انسانی سروں کا جنگل نظر آرہا تھا۔ جلسہ پورے شباب پر تھا۔ مسٹر درگا داس خطاب کر رہا تھا۔ اس سے قبل سولہ مقررین تقاریر کر چکے تھے۔ جن میں رائے رام سنگھ، ڈار سنگھ، عبدالماجد، گوپی ناتھ، ہنس راج اور گوربخش سنگھ کے نام قابل ذکر ہیں۔ تقاریر رولٹ ایکٹ کی مخالفت میں ہو رہی تھیں۔ فوج کو دیکھ کر جلسہ میں تھوڑی سی ہل چل ہوئی جو جلد ہی ختم ہوگئی۔ اسی اثنا میں جلسہ گاہ کے اوپر فوجی طیاروں نے پرواز کی۔ اس سے ایک مرتبہ پھر کھلبلی مچی۔ لیکن مختصر تعطل سے کارروائی جاری رہی۔ مقرر کہہ رہا تھا ہمیں جلسہ کرنے سے کوئی نہیں روک سکتا۔ تقریر، تحریر اور اجتماع کی آزادی انسان کا پیدائشی حق ہے جس سے کسی کو محروم نہیں بنایا جا سکتا۔ ہندوستان ایسے کسی قانون کو ماننے کے لیے تیار نہیں ہے جس سے بنیادی حقوق متاثر ہوتے ہیں۔ توپوں اور بندوقوں کی نمائش سے انسانی آزادی کو چھینا نہیں جا سکتا۔ ہندوستان آزادی کے حق سے دستبردار ہونے کو تیار نہیں ہے۔

مقررین بنیادی انسانی حقوق کے بارے میں تقاریر کرنے میں مصروف تھے۔ وہ انسانی حقوق کی اہمیت کو اجاگر کر رہے تھے کہ انسان کو بنیادی حقوق سے محروم بنانا انسانیت کے قتل عام سے کچھ ہی کم ہے کہ جنرل ڈائر نے انسانوں کا قتل عام شروع کر دیا۔ پرامن اور نہتے سامعین جلسہ کو گولیوں سے بھون ڈالا۔ جوان، بوڑھے اور بچے اس کی بربریت کا شکار ہوتے۔ چیخ و پکار اور آہ و بکا سے کان پڑی آواز سنائی نہ دیتی تھی۔ زخمیوں کی دلدوز چیخوں سے آسمان پھٹا جا رہا تھا باغ کے اندر کنواں تھا۔ بیک آن واحد میں انسانوں سے بھر گیا تھا۔ جنرل ڈائر نے دس منٹ کے مختصر عرصہ میں باغ کو کربلا بنا دیا تھا۔ سولہ سو کے قریب راؤنڈ چلائے گئے۔ سینکڑوں بے گناہ موقع پر جاں بحق ہو گئے۔ بے شمار زخمی بروقت طبی امداد نہ ملنے کی وجہ سے جان سے ہار گئے ان میں ہندو بھی تھے اور مسلمان بھی، سکھ بھی تھے اور عیسائی بھی، لیکن یہ سب انسان

© rasailojaraid.com

© rasailojaraid.com

تھے۔ عظیم المرتبت انسان — ان کا ایک ہی جرم تھا۔ آزادی کی خواہش — آزادی کی تمنا اور — آزادی کی آرزو۔

انھوں نے حصول آزادی کے عظیم مقصد کی خاطر جانوں کا نذرانہ پیش کرنے سے گریز نہیں کیا۔ اور آزادی ہند کی راہ اپنے مقدس خون سے متعین کر دی۔

بنا کردند خوش رسمے بخاک و خون غلطیدن
خدا رحمت کند ایں عاشقانِ پاک طینت را

جنرل ڈائر اپنی سفاکی اور خونخواری پر ذرہ برابر متاسف نہ تھا۔ اس نے ۲۵ اگست ۱۹۱۹ء کو جو بیان دیا اس پر عمر بھر سختی سے قائم رہا اگرچہ وہ ہندوستانیوں کی نگاہوں میں ہی درندہ صفت نہ تھا بلکہ اس کا اقدام اس کے ہموطنوں کے نزدیک بھی بے رحمانہ قتل عام تھا۔ یہ کام انسان نہیں صرف بھیڑیا ہی سرانجام دے سکتا تھا۔ ۱۹۲۰ء میں جنرل ڈائر کے سفاکانہ اقدام پر برطانیہ میں شدید شور برپا ہوا۔ اور برطانوی رائے عامہ دو حصوں میں بٹ گئی۔

(جاری ہے)

(بقیہ: قرآن کریم کے سندھی تراجم)

اس نئی اشاعت میں اور بہت سی خوبیاں ہیں۔ قرآن پاک کے متن کی غلطیوں کی دوبارہ اصلاح کر دی گئی ہے اور کتابت کی غلطیوں کو بھی درست کر دیا گیا ہے۔ سندھ کے مشہور کاتب مولوی مشتاق احمد (مرحوم) کے فرزند مولوی عبدالرؤف خوشنویس نے بڑی محنت سے تصحیح کی۔ اس کتابت کا کمال یہ ہے کہ دو کالم رکھے گئے ہیں۔ قرآن مجید کی ہر سطر کے سامنے ایک سطر منظوم ترجمے کی ہے۔ یہ مترجم کا بڑا کمال ہے۔

(ماہنامہ فیض الاسلام راولپنڈی، اکتوبر ۱۹۸۹ء)

© rasailojaraid.com